سید محمد معاویہ بخاری

ایک اور مراتھن

مجھے نہیں معلوم کہ ۱۴ مئی کو مراتھن ریس کا اہتمام کیوں کیا گیا تھا؟ اس حوالہ سے اخبار میں شائع ہونے والی خبر کے پس پردہ مقاصد اور اس کا سیاق وسباق بھی میں نہیں سمجھ سکا۔ جس میں بصد اہتمام بتایا گیا ہے کہ ''مراتھن'' میں مولانا مودودی کے بیٹے اور ان کی بہو نے بھی شرکت کی تھی۔ میں اس خفیہ ہاتھ سے بھی لاعلم ہوں جس نے روشن خیالی کے فلتھ ڈپو میں پڑی گندگی شاہراؤں پر انڈیل کر تعفن پھیلانے کی مذموم کوشش کی۔ ایک عام پاکستانی شہری کی طرح اصل حقائق تک رسائی سے محروم ہونے کے باعث میں صرف اتنا ہی جان سکا ہوں کہ شہر لاہور میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے اور روشن خیالی کی عفونت گاہ سے پھر سڑاند اٹھی ہے۔ خبر میں بتایا گیا ہے کہ ۱۴ مئی کے دن بے حدود آزادی کے علمبرداروں کا بدنہاد گروہ ماحول کو اپنی فکری غلاظتوں سے آلودہ کرنے نکلا تھا۔ مراتھن کا دوسرا راؤنڈ حقوقِ نسواں کے نام پر شروع کیا جارہا تھا۔ مگر قانون نافذ کرنے والے اداروں نے یہ موقع فراہم نہیں ہونے دیا۔ لوگ جانتے ہیں کہ ایسی شرانگیزیاں جان بوجھ کر کی جاتی ہیں۔ پرسکون شاہراہوں پر انگارے سجا کر عنوان سازی کرنے کا یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ مجمع باز مداریوں نے میڈیائی تشہیر حاصل کرنے کے لیے پہلے بھی کئی سوانگ رچائے ہیں، اپنے آقاؤں کی گڈ بک میں نام لکھوانے اور ڈالر وصول کرنے کی یہ مہم ایک عرصہ سے جاری ہے۔

قارئین جانتے ہیں کہ ڈیڑھ ماہ قبل ''مخلوط مراتھن'' کا اہتمام سرکاری سرپرستی میں کیا گیا تھا۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اس حوالہ سے تشہیری مہم بھی چلائی گئی تھی لیکن ہزار کوششوں کے باوجود پاکستانی عوام اپنی بہنوں، بیٹیوں کو سر بازار دوڑانے پر آمادہ نہیں ہو سکے تھے۔ اور...... سر بازار می رقصم ...... کی اس ریتِ بد کو سوائے ایک مخصوص طبقہ کے جو حدود لباس سے آزاد رہنے میں عار محسوس نہیں کرتا کوئی پذیرائی نہیں مل سکی تھی۔ لاہور میں پہلی دوپایہ عالمی دوڑ کے بعد حوصلے بلند ہوئے تو گوجرانوالہ ''مراتھن'' کا اہتمام کیا گیا مگر قاضی حمیداللہ خیر کے نمائندے بن کر طلوع ہوئے اور بارش کا پہلا قطرہ بن گئے۔ ان کی دلیرانہ مزاحمت جو عزیمت کا رنگ لیے ہوئے تھی۔ عوامی امنگوں کی ترجمان بن گئی۔ چنانچہ سرکاری سطح پر تسلیم کرلیا گیا کہ ایسے اقدامات بہرحال پاکستانی قوم کے جذبات کی عکاسی نہیں کرتے' ملک گیر مزاحمت اور احتجاجی مظاہروں کے پیش نظر ہی معاملہ کی سنگینی کو نہ صرف حکومتی سطح پر سمجھا گیا بلکہ ایسی امید افزا کوششیں بھی کی گئیں کہ ''مخلوط مراتھن'' دوڑوں کے سلسلہ کو بجائے عمومی تصادم کا ذریعہ بنانے کے موقوف کردیا گیا۔ اہل اقتدار کے اس طرزِ عمل کو بالعموم اور پنجاب حکومت کے اقدامات کو بالخصوص پذیرائی حاصل ہوئی اور تمام سنجیدہ حلقوں نے اس رویہ کی تحسین کی تھی لیکن بعض پرائیویٹ چینلوں پر (جو روشن خیال ایجنڈے کی تشہیر کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں) ایک تسلسل کے ساتھ ایسی شخصیات کو بلا کر

واویلا کیا جاتا رہا کہ حکومت ایم ایم اے یا ملاؤں کے سامنے استقامت کا مظاہرہ نہیں کرسکی اور پسپا ہوگئی۔ایک پرائیویٹ چینل کے پروگرام میں بیرسٹر شاہدہ جمیل اور پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز کے سید اقبال حیدر مولویوں پر جی کھول کر برسے اور صدر صاحب سے مطالبہ کیا کہ وہ مراتھن کے خلاف احتجاج اور مزاحمت کرنے والوں کو قانون کی قوت سے روکیں۔حالانکہ قانون کی قوت استعمال کی گئی تھی۔مزاحمت کاروں کو مارا پیٹا گیا اور قاضی حمید اللہ سمیت کئی سرکردہ افراد کو جیل یاترا بھی کرنا پڑی تھی لیکن قانون کی یہ قوت کیونکہ ایسے ایشو کو دبانے کے لیے استعمال کی گئی تھی جو ملک کی اکثریت کے لیے نا قابل قبول تھا اور اس کے اثرات ایک ملک گیر تحریک کی صورت اختیار کرتے ہوئے بھی صاف نظر آرہے تھے۔اسی لئے حکمران جماعت کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ حالات کو بجائے تصادم اور تحریک کا رخ دینے کے ایسے اقدامات سے گریز کیا جائے جس کا نقصان جانبین کو اٹھانا پڑے۔اس دانشمندانہ فیصلہ کے بعد حالات پرسکون ہوگئے تھے لیکن ۱۴ مئی کو این جی اوز نے سلگتے ہوئے اس قضیہ کو پھر ہوا دے دی۔عاصمہ جہانگیر، آئی اے رحمٰن اور سینیٹر اقبال حیدر کی قیادت میں روشن خیال پھر جمع ہوئے اور مراتھن کا اہتمام کرڈالا۔حقوق نسواں کی بحالی کے لیے مراتھن دوڑ کا اہتمام؟.....ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا.....

مجھے نہیں معلوم کہ ملک کی نصف آبادی (خواتین) کے حقوق نوجوان بچیوں کو مراتھن میں دوڑا کر کیسے حاصل کئے جاسکتے ہیں؟لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ بھوک اور بیماری سے تنگ خودکشیاں کرتی قوم کی حرماں نصیب بیٹیوں سمیت خواتین کی اکثریت مراتھن کے لفظ اور اس کے معنی ومفہوم سے بھی آشنا نہیں ہے۔محل نما کوٹھیوں، بنگلوں اور ائیر کنڈیشنڈ کمروں سے نکل کر حقوق نسواں مراتھن شوز کے ذریعہ حاصل کرنے کا عالیشان فارمولا تیار کرنے والے ماہر کاریگروں سے پوچھا جانا چاہیے کہ اُن کی نام نہاد فلاحی تنظیموں نے آج تک کتنے گھروں میں چولہے روشن کئے ہیں؟ کتنے بے روزگاروں کے لیے روزگار کا بندوبست کیا ہے؟ مہلک بیماریوں کے شکار کتنے مفلوک الحال بدنصیبوں کو علاج معالجہ کی سہولتیں بہم پہنچائی ہیں؟ حوا کی وہ بیٹیاں جو حالات کی ستم گری کا شکار ہوکر بازارِ جنس وہوس میں سکریپ کی طرح بکتیں اور اپنے وجود پامال کراتی ہیں۔ان میں سے کتنی خوش نصیبوں کے نام عاصمہ جہانگیر، آئی اے رحمٰن اور اقبال حیدر سمیت حقوقِ نسواں کی علمبردار تمام این جی اوز کی فلاحی لسٹوں میں موجود ہیں اور انہوں نے کتنی بیسوا عورتوں کو جسم فروشی کے دھندے سے نکال کر آبرومندانہ زندگی فراہم کی ہے۔وویمن رائٹس انڈسٹری کی عیار مینجمنٹ سے یہ بھی پوچھا جانا چاہیے کہ پانی، بجلی اور صحت وتعلیم سمیت زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم کوردہ علاقوں میں بسنے والی کتنی خوش نصیب عورتیں ایسی ہیں جن کو ماہانہ روزینہ این جی اوز کے ذریعے پہنچتا ہے؟ کتنے لاوارث بچے ایسے ہیں جن کی کفالت کا فریضہ انسانی حقوق کے تاجر ادا کررہے ہیں۔ان روشن خیالوں کی کارگزاریوں کے اعداد وشمار اور ان کے نتائج ونمونے پاکستان کے اخبارات وجرائد میں شائع ہونے والی رپورٹوں میں بخوبی دیکھے، پڑھے جاسکتے ہیں۔جن کے مطابق حقوق نسواں کے علمبرداروں نے شاید ہی کسی بدنصیب کا گھر

آباد کیا ہو مگر انہوں نے شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کو اعلیٰ مستقبل کی چکا چوند دکھا کر دینی روایات سے بغاوت کرنے اور گھروں سے بھاگنے پر ضرور اکسایا ہے۔ غیر مسلم لڑکوں سے ان کی شادیاں کرائی گئی ہیں۔ عریانی وفحاشی کی تشہیر اور دینی اقدار کو ڈائنامیٹ کرنے کے لیے ایسے میوزیکل سرکس سجائے ہیں جہاں بنتِ حوا کو تماشا بنا کر نہ صرف ہوس پرست جنسی مریضوں کی ناپاک خواہشوں کی تکمیل کی گئی بلکہ ان کے خبث باطن کی تسکین کا سامان بھی فراہم کیا گیا۔ رپورٹوں میں بعض ایسے دستاویزی ثبوت بھی موجود ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ااین جی اوز کا کردار وطن عزیز کی سالمیت کے لیے بھی شدید خطرہ کا باعث ہے۔ بعض رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ انہی این جی اوز کی روشن خیال بیگمات وحضرات ناگفتنی معاملات میں بھی ملوث رہے ہیں۔ مگر آج تک کسی سطح پر بھی اس کا نوٹس نہیں لیا گیا۔ مراتھن کے نام پر بازارِ حسن سجانے کی یہ مذموم کوشش بے حدود روشن خیالی کے فروغ کے لیے کروڑوں ڈالر فراہم کرنے والوں کے ایماء پر ہوئی ہے۔ گوجرانوالہ میں اپنے عزائم کی تکمیل نہ ہونے کے باعث شکست خوردہ عناصر سخت برہم ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ اس سلسلہ کو بہر حال جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ عاصمہ جہانگیر نے ۱۵ رمئی کو اپنے ایک بیان میں کہا ہے:

''۲۱ رمئی کو ہم دوبارہ مراتھن کا انعقاد کریں گے۔ عاصمہ جہانگیر کا کہنا ہے کہ ۱۴ رمئی کا واقعہ پاسبان تنظیم کی وجہ سے نہیں بلکہ حکومت کی ریاستی دہشت گردی کی وجہ سے رونما ہوا۔ لیکن ہم اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے ۲۱ رمئی کو مراتھن کا اہتمام ضرور کریں گے۔''

عاصمہ جہانگیر اپنے کہے پر کس طرح عمل درآمد کریں گی۔ ہمیں نہیں معلوم لیکن دوسری طرف حکمران جماعت کے بااثر رہنماء سید کبیر علی واسطی نے ایک پرائیویٹ چینل کے پروگرام ''زیرو پوائنٹ'' میں بتایا ہے کہ انہوں نے صدر مشرف سے ملاقات کے دوران لاہور کے واقعہ بارے بات کی تھی۔ صدر صاحب کا کہنا ہے کہ عاصمہ جہانگیر کو مراتھن شو سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن وہ نہیں مانی۔ واسطی صاحب کے بقول صدر صاحب کے خیال میں اس طرح کے واقعات ردّعمل پیدا کرتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ ایسا ہو۔ صدر صاحب نے کہا ہے کہ وہ اپنے روشن خیال ایجنڈے کو دھیرے دھیرے لانا چاہتے ہیں۔ صدر صاحب نے جو کچھ بھی فرمایا ہو وہ اپنی جگہ لیکن عاصمہ جہانگیر اینڈ کمپنی کو اس حقیقت کا ادراک کرنے کی توفیق ابھی تک نہیں ہوئی کہ پاکستانی عوام روشن خیالی کے اس تصور کو کسی طور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ عوام کے ذہنوں میں روشن خیالی کا جو تصور ہے' اس کے تحت لوگ جہالت سے تعلیم کی طرف، غربت سے خوشحالی کی طرف اور زبوں حالی سے ترقی کی طرف تو ضرور جانا چاہتے ہیں اور اس ضمن میں ہونے والی تمام حکومتی کوششوں اور مناسب اقدامات کی حمایت بھی کرتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ روشن خیالی کے ننگے فلسفے اور مراتھن آئیڈیالوجی سے ذرہ بھر متفق نہیں ہیں۔ پاکستانی عوام اپنی دینی تعلیمات اور معاشرتی اقدار میں کسی مخلوط آمیزہ کو شامل نہیں کرنا چاہتے جو نسل نو کے معصوم دینی، رجحانات اور پاکیزہ معاشرتی رویوں کو گدلا کر سکے۔ ۱۵ رمئی کے اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور تصاویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ

حالیہ مراتھن شو کی منصوبہ بندی میں حکمران جماعت کا عمل دخل نہیں تھا مگر اس امکان کو بہرحال رد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قوتیں جو دین مخالف اور روشن خیال ایجنڈے کی علمبردار اور سرپرست ہیں' درپردہ ان کی شہ پر ہی مراتھن کا گلا سڑا تابوت نکال کر سربازار رکھا گیا اور پھر چورا ہے بیچ بین ڈال کر ہمدردیاں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہو کیونکہ معاملہ:

پیتا بغیر اذن یہ کب تھی میری مجال
درپردہ چشم یار کی شہہ پا کے پی گیا

کا مصداق نظر آ رہا ہے۔اس امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جن کے راتب پر این جی اوز پلتی ہیں۔انہوں نے ہی واویلا کرنے اور کھلایا مال حلال کرانے کے لیے بیگمات کا نرخرہ دبا دیا ہو۔کیونکہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ عالمی قوتیں روشن خیالوں کی ایک ایسی کھیپ کو پاکستان میں تخریبی سرگرمیوں کے لیے منتخب کر چکی ہیں جو دین وسیاست ،تعلیم وثقافت ،تہذیب وتمدن اور اقتصاد ومعاد جیسے بنیادی اہمیت کے حامل حساس معاملات کو نئے زاویوں اور بدنما سانچوں میں ڈھالنے کا حلف دے چکے ہیں۔

عاصمہ جہانگیر ہو یا حنا جیلانی ،آئی اے رحمٰن ہو یا اقبال حیدر،مولانا مودودی کا بیٹا ہو یا ان کی بہو۔یہ سب منظر پر ناچنے والی پتلیاں ہیں جن کی ڈوران دیکھے ہاتھوں کی انگلیوں سے بندھی ہے اور کسی ایک انگلی کے ہلتے ہی کوئی نہ کوئی پتلی حرکت میں آجاتی ہے۔

پاکستان میں روشن خیال فلسفہ کی داغ بیل دانشوروں کے جس طبقے نے بھی ڈالی ہو'اس کی خدمات پس منظر میں چلی گئی ہیں۔اور اس حقیقت کا اعتراف دوست دشمن کرتے ہیں کہ جنرل مشرف کے پانچ سالہ عہدِ اقتدار میں یہ فلسفہ جس شرح وبسط سے عملی صورت میں رائج ونافذ ہوا ہے۔اس کی مثال کم ازکم پاکستانی تاریخ کے کسی عہد میں نہیں ملتی۔جنرل صاحب کو زیادہ کامیابی اس لیے بھی میسر آئی ہے کہ مذہب بیزار عناصر کی نرسری پہلے سے موجود تھی۔البتہ اس نرسری کو تحفظ دے کر انہوں نے اپنی نگرانی میں پروان چڑھا دیا ہے۔نائن الیون کے بعد جو حالات رونما ہوئے' وہ اس فلسفہ کی آبیاری کے لیے بطور کھاد استعمال ہوئے اور دینی قوتوں کو دیوار سے لگانے کا فائدہ ان عناصر نے اٹھایا جو بہت پہلے اپنی خواہشوں کے بارآور ہونے کے منتظر تھے۔۱۴رمئی کو مراتھن شو سجانے کے پس پردہ بھی وہ آشیرباد ہی ہے جس کا اعلان صدر ذی وقار اپنے ہر خطاب میں روشن خیال معاشرہ کے حوالے سے فرما رہے ہیں ورنہ بیرونی امداد کے شجرِ خبیثہ سے لٹکتی این جی اوز پاکستان کے روشن وپاکیزہ معاشرہ میں چمگادڑوں کی طرح آنکھیں نہیں کھول سکتی تھیں۔مہیب راتوں کی سیاہی میسر آنے پر ہی ان کی پلٹ جھپٹ شروع ہوئی ہے۔صدر محترم کے فرمودات انہیں روز توانائی فراہم کرتے ہیں۔ان کے ایک ایک جملے میں ایسے لوگوں کے لیے تابناک مستقبل کی ضمانتیں پوشیدہ ہیں جو شرم وحیاء اور عفت وعصمت کا دامن نوچ لینا چاہتے ہیں۔